© rasailojaraid.com

۵ ـــ اب آپ کے آخری سوال کی باری ہے، جو بڑا بھاری سوال ہے۔

دین یا شریعت یا فقہ کے نظام کا تعلق کسی معاشرے یا اُمت سے ہوتا ہے۔ اس کی عمومی اکثریت ایک خاص طرح کے عقائد رکھتی ہے۔ دین کا ایک تصور اس میں کارفرما ہوتا ہے۔ شریعت یا قانون و فقہ کا ایک نظام صدیوں سے اس میں نشوونما پاتا ہے۔ کسی قوم کے درمیان فیصلہ کرنے والے جج کا یہ منصب نہیں کہ وہ عامۃ الناس کے دینی اور شرعی مسلّمات کو توڑ کر فیصلے کرنے لگے۔ یوں بھی شریعت میں "معروف" اور جدید قوانین میں "رسم و رواج" کو قانونی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ لوگوں پر لوگوں کی مرضی کے خلاف فیصلے ٹھونسنے سے پہلے کسی "مصلح" آدمی کو جج کی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے لوگوں میں اپنے نئے نقطۂ نظر کی دعوت پھیلانے اور عوام کو تعلیم دینے کا کام کرنا چاہیے۔ پھر اگر وہ اپنے کسی نقطۂ نظر کے لیے فضا کو تیار کرلے اور رائے عام اس کے ساتھ ہو جائے تو وہ انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کا موقع پائے تو ضرور اپنے نقطۂ نظر کے مطابق فیصلہ کرے۔ منصب قضا اپنے عقائد، تصورات اور مزعومات کو ٹھونسنے کا نام نہیں، یہ تو مسلّمات کے مطابق فیصلے کرنے کا منصب ہے۔ جسے عامۃ الناس کے اساسی تصور دین و شریعت یا قانونی و اخلاقی مسلّمات سے اختلاف ہو، وہ کوئی دوسری خدمت انجام دے۔

یہاں تو وہ قوم بستی ہے جس نے پاکستان کی تحریک اس لیے چلائی کہ وہ کتاب و سنّت کے مطابق زندگی کی تشکیل نو چاہتی تھی۔ پھر اس نے دستوری طور پر یہ بات ثبت کرائی کہ تمام قوانین اور فیصلے کتاب و سنّت کے مطابق ہوا کریں گے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی قاضی مسندِ قضاء پر بیٹھ کر کتاب کو سنّت سے الگ کر کے لیتا ہے اور سنت کو ذریعۂ توضیح قرآن نہیں مانتا تو پہلے اسے قوم کو اپنے نئے اور مختلف خیالات کا قائل بنانا چاہیے۔ ورنہ محکمہ عدلیہ کے دیتے ہوئے اختیارات کو اگر قوم کی مرضی عام اور طے شدہ دستوری اصول کے خلاف وہ استعمال کرتا ہے تو یہ ایک ایسی کارروائی ہے جس کا نظام مروج میں کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔

رجم کی سزا کا مسئلہ ہو یا شراب کی حرمت کی بحث، صحیح امر یہ ہے کہ اگر اتفاق سے کوئی غیر مسلم جج بھی کرسی پر بیٹھا ہو تو وہ فیصلہ عامۃ المسلمین کے مسلک کے مطابق دے۔ اور اگر کسی کا ضمیر اس پر راضی نہ ہو تو وہ کسی بھی ایسے معاملے کو ہاتھ میں لینے سے انکار کر دے، جس کے متعلق وہ عامۃ المسلمین کے مسلّمات کے مطابق فیصلہ دینے پر تیار نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی ایک مثال انگریزی دور کے عدلیہ کی گذر چکی ہے ۔ اس سامراجی قوت نے ہم کو غلام بنانے کے باوجود پرسنل لا کی حد تک ہماری شریعت اور ہماری فقہ میں مداخلت سے اجتناب کیا ہے ۔ حتیٰ کہ پریوی کونسل تک نے کوئی ایسا فیصلہ دینے سے انکار کر دیا جس سے سنت تو کیا، ہدایہ اور عالمگیری میں درج شدہ ضابطے ..... ٹکراتے ہوں۔ آجکل بھارتی حکومت بار بار ایسے اقدامات کر رہی ہے جن سے مسلمانوں کے پرسنل لا کو درہم برہم کرنا مطلوب ہے ۔ اگر یہی روش ہمارے یہاں اختیار کر لی جائے تو پھر بھارت ہی نہیں، یورپ اور امریکہ و برطانیہ میں بھی مسلمانوں کے کسی دینی قاعدے قانون کا کوئی لحاظ باقی نہ رہے گا۔

یہ نازک مرحلہ جب کہ نفاذِ شریعت کا نعرہ گونج رہا ہے ۔ اسلامی قانون کی تدوین کے لیے کونسل بیٹھی ہے ۔ کچھ قوانین مدون ہو چکے ہیں، شرعی عدالتوں کا چرچا ہے ۔ اور لوگ دم سادھے یہ دیکھ رہے ہیں کہ دیکھیں کیا ہونے والا ہے، اس وقت اگر قانونِ شریعت میں طرح طرح کے نئے شگوفے عدلیہ کی طرف سے چھوڑے جانے لگے تو عامۃ الناس کا اعتماد متزلزل ہو جائے گا۔

جی ہاں! آپ کے سوال کے آخری جزء کا جواب میں اثبات میں دیتا ہوں ۔ اگر کسی جج کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے سنّت سے انحراف کیا ہے یا اسے قانونی وقعت نہیں دی ہے تو یہ دستور کے متعین کردہ بنیادی اصول کی ایسی خلاف ورزی ہے کہ اس پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے ــــ چاہے پارلیمنٹ میں ہو، چاہے ہائی کورٹوں اور سپریم کورٹ کے سربراہ ججوں کے ایک بنچ کے سامنے، چاہے علماء کے کسی نمائندہ بورڈ کے سامنے اور چاہیں تو تدوینِ قانونِ اسلامی کی وفاقی کونسل کے سامنے ۔ قانون ان میں سے کوئی بھی صورت طے کر سکتا ہے ۔ پہلا قدم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معاملہ بالاتر عدالت کے سامنے لے جایا جا سکے ۔

© rasailojaraid.com